درس حدیث

یحییٰ نعمانی (الفرقان' لکھنؤ)

یقین وتوکّل اور رضا بالقضا

اللہ پر یقین اور توکل ان چند بنیادی ایمانی صفات میں سے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ لائی گئی اللہ کی ہدایت اور علم سے پیدا ہوتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو بتلاتے ہیں کہ اس کارخانۂ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے، جو بنتا اور بگڑتا ہے، سب کچھ صرف اللہ کے حکم اور اسی کے فیصلے سے ہوتا ہے۔ وہی سب کچھ کرنے والا علیم وقدیر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس سے پرسش کرنے والا نہیں۔ اس دنیا میں بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ بہت سے مادی اسباب اور ہستیوں کے ذریعہ کام انجام پا رہے ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کی ہدایت سے بہرہ ور بندۂ مومن کو اس حقیقت پہ شرح صدر ہوتا ہے کہ ان اسباب کی حیثیت محض ذرائع کی ہے (جو اللہ کی غیبی مشیت کا پردہ ہیں) ورنہ اصل فیصلہ اور کام صرف اور صرف اللہ کا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بتلائی ہوئی اس حقیقت کو معارف الحدیث میں ایک بڑی عام فہم مثال سے سمجھا دیا گیا ہے۔ حضرت صاحبِ معارف مولانا محمد منظور نعمانی قدّس سرہ فرماتے ہیں: ''جس طرح گھروں میں پانی جن نلوں سے پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح اس عالم وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔''

(معارف الحدیث دوم صفحہ ۳۰۷)

دل کے اندر اس حقیقت پر یقین کے بعد ایک صاحب ایمان کا اپنے ہر کام اور زندگی کے ہر میدان میں ایک خاص حال ہونا چاہئے۔ یعنی وہ اپنے تمام کاموں میں اور زندگی کے ہر فیصلے اور اقدام میں اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کرے، ذرائع اور اسباب کے طور پر وہ دنیا کی ہر چیز اور ہر جائز طریقہ استعمال کرے گا، مگر اس کا اصل اعتماد صرف اللہ کی ذات پر ہوگا، وہ اسی کی ذات اور اسی کے کرم سے امید رکھے گا اور اسی سے لو لگائے گا۔ ایک بندۂ مومن کے اس حال کا نام دین کی اصلاح میں توکل ہے۔

اللہ پر بھروسہ اور اس کی قدرت پر بھروسہ کرنے کا یقینی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مومن ہر وقت اور ہر حال میں اپنے اندر ایک خاص قسم کا اعتماد اور بے فکری کا احساس کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس پر اچھے برے جس قسم کے حالات آرہے ہیں وہ

سب اللہ کے فیصلے سے آ رہے ہیں۔اس کو بھروسہ ہوتا ہے کہ اس کا اللہ اس کے لیے بہتر ہی فیصلہ کرتا ہے، اور کامیابی ناکامی اور ترقی وتنزلی دونوں صورتوں میں اس کے لیے انجام کار خیر ہی ہے۔اس لیے وہ اللہ کے ہر فیصلے پر راضی اور خوش رہتا ہے، یہی رضا بالقضا کا مقامِ بلند ہے، اور اس کا سب سے مکمل اظہار اس وقت ہوتا ہے جب بندہ پریشانی اور تکلیف یا ناکامی کے وقت اپنے مالک کی تعریف ہی کے گن گاتا ہوا اس کی حمد وثنا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے کاملین اور بارگاہ الٰہی کے مقربین کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ ناکامیوں اور تکلیفوں کے وقت میں اللہ سے عافیت اور کامیابی کی دعا تو ضرور مانگتے ہیں، مگر اس وقت بھی اپنے مالک سے وفاداری اور بندگی ونیاز کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ہر حال میں اللہ کی حمد وثنا اور اس کی تعریف ہے۔

ہماری عملی زندگی میں توکل کا تقاضہ یہ ہے کہ جب پوری طرح غور وفکر کر کے کسی کام کا یا اقدام کا فیصلہ کر لیا جائے تو پھر گھبراہٹ اور ہر طرح کے پس وپیش کے بغیر پوری ہمت وعزیمت کے ساتھ اللہ کے بھروسے اور اعتماد پر وہ کام کر گذرا جائے، اور یہ بات دل میں تازہ رہے کہ جہاں تک غور وفکر کا تعلق تھا ہم نے اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، اسباب بھی اپنی استطاعت کے بقدر اختیار کیے، اور جو کیا وہ صحیح سمجھ کر کیا، اب آگے اللہ کا فیصلہ۔اس لیے کہ اصلاً تو کام پورا کرنے والی اور کامیابی دینے والی ذات اللہ کی ہے، وہ چاہے گا تو ضرور کامیابی ملے گی۔ اب کام کی مشکلات اور راستہ کی رکاوٹوں سے گھبرانے کی کیا ضرورت؟ اللہ نے مجھے مکلّف بنایا تھا کہ ممکن اسباب اختیار کیے جائیں، اور اپنی عقل سے سوچ سمجھ کر کیا جائے، اس میں، میں نے کمی نہیں کی۔ اب جو وہ چاہے گا وہی ہوگا، اور وہ میرے لیے بہتر ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اس طرح اللہ پر توکل کی تعلیم دی گئی کہ جب جنگ (یا کسی اور نازک مسئلے) کا سامنا ہو تو پہلے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرو، پھر جب کسی بات پر رائے ٹھہر جائے تو اس کے مطابق عمل کرنے کا پکا ارادہ کر لو، اور پھر اللہ کے بھروسے اس کام میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہ رکھو، اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس پر (اس طرح) بھروسہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ کامیابی اور ناکامی سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے، وہ مدد کرنا چاہے تو بظاہر حالات واسباب کیسی ہی ناکامی کی طرف اشارہ کرتے ہوں تم کو اب (جب مشورے اور غور وفکر کے بعد کوئی قدم اٹھایا ہے) گھبرانا نہیں چاہئے۔ غزوۂ احد کے واقعات پر جو آیتیں مختلف تنبیہات اور ہدایتیں لے کر اتریں ان میں ارشاد ہوتا ہے:

”وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمرِ، فَاِذَاعَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْن. اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰهُ فَلاَ غَالِبَ لَکُمْ. وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذاالَّذِی یَنْصُرکُمْ مِنْ بَعْدِه، وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلُ المتوکلون“ (آل عمران ۱۵۹-۱۶۰)۔

اس آیت میں توکل کی پوری حقیقت آ گئی ہے۔اللہ پر بھروسے اور اعتماد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پاؤں

باندھ کر بیٹھا رہے، اور یوں کہے کہ میں تو کچھ نہیں کروں گا، اللہ ہی سب کچھ کرنے والا ہے وہ چاہے گا تو میرا کام بن جائے گا۔اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اپنے لوگوں سے مشورہ کیا جائے، غور و فکر کر کے رائے طے کی جائے اور پھر پختہ ارادے کے ساتھ کام شروع کیا جائے اور پوری مستعدی اور تندہی کے ساتھ اس کو انجام دیا جائے۔لیکن اپنی کوششوں اور ظاہری اسباب پر نظر نہ ہو، نہ ان کی کمی اور حالات کی ناسازگاری پر گھبرایا جائے، اپنی جیسی کوشش کے بعد اللہ کی قدرت پر اعتماد کیا جائے کہ وہ جیسا چاہے گا وہ ہو کر رہے گا، نہ اسباب سے حقیقی طور پر کچھ ہونا ہے اور نہ حالات سے۔

غلط سمجھا ہے جس نے یہ سمجھا کہ توکّل کا اصل مقام یہ ہے کہ اسباب ترک کر کے بیٹھ رہا جائے کوشش نہ کی جائے اور اللہ کے فیصلوں کا انتظار کیا جائے۔ یہ کسی کا ذاتی حال اور ذوق ہو تو ہو مگر اس کا توکّل کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ توکل ایک ایمانی حقیقت اور قربِ الٰہی کا ایک خاص مقام ہے۔اور ایمانی حقائق اور قرب الٰہی کے مقامات میں کامل ترین نمونہ سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، جس کو کمال حاصل ہونا ہے انہی کے طریقہ سے اور ان کی اتباع سے ہی ہونا ہے۔ان کا توکّل ہی کامل و اکمل توکّل ہے۔مشہور صوفی بزرگ اور امام طریقت سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں: ’’جس نے اسباب کی جدوجہد ترک کی اس نے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ چھوڑا، اور جس نے (بالکل ہی) توکل چھوڑا اس نے ایمان چھوڑا۔توکّل اللہ کے رسول ﷺ کا حال اور آپ کی باطنی کیفیت ہے، اور اسباب کی جدوجہد آپ ﷺ کا طریقہ ہے‘‘ (مدارج السالکین: ۱۱۶/۲)۔

توکل کی اعلیٰ ترین قسم:

زندگی کے ہر لمحے اور ہر کام میں اللہ کی ذات پر بھروسہ اور اعتماد توکل ہے، اپنی ذاتی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کے لیے بھی اس پر بھروسہ اور اعتماد بھی توکل کی عظیم ایمانی صفت ہے۔مگر اگر اللہ کے بندے اس کے دین کی دعوت اور اس پر استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ خود جمنے اور دوسروں کو جمانے کے راستے میں کوششیں کریں، اپنی طرف سے پورے غور و فکر اور محنت کے ساتھ اس کی رحمت اور کارسازی پر یقین رکھتے ہوئے اپنی دھن میں لگے رہیں، اور اس راہ میں ان کا حال یہ ہو کہ وہ مخالفوں کی مخالفتوں اور حالات کی ناسازگاری سے پریشاں خاطری اور گھبراہٹ کے شکار ہونے کے بجائے اللہ کی قدرت اور رحمت پر اعتماد کرتے رہیں، اور اس حقیقت کو مدنظر رکھیں کہ ان سے جو ہو سکا وہ انہوں نے کر دیا، اب وہ ہو گا جو اللہ کو مقصود ہو گا اور اس کی حکمت کا فیصلہ ہو گا۔تو ان کا یہ حال توکل کی اعلیٰ ترین قسم اور اس کا بلند ترین درجہ ہے۔قرآن مجید نے دسیوں جگہ رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم دیا ہے کہ کفار کی سازشوں اور اللہ کے باغیوں کی سرکشی اور ان کی طاقت سے مت گھبرائیں، مخالف اور مایوس کن حالات سے نہ

پریشان ہوں۔اللہ کے دین پر اوراس کے احکام پر جمے رہیں۔اوراللہ پر بھروسہ رکھیں،وہ بہت طاقت والا اوررحمت کرنے والا ہے،مثلاً سورہ ہود کے آخر میں گذشتہ انبیاءعلیہم السلام کی استقامت اورتوکّل سے بھرپور تاریخ سنانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے ''فاستقم کما امرت ومن تاب معک ......وتوکّل علیه....'' تو اے محمدؐ تم اورتمہارے ساتھ اللہ کی رحمت و توجہ کے طلب گار اہل ایمان بھی جمے رہیں،ان مشکل حالات میں اِن ظالموں کی طرف اوران کے طریقے کی طرف ہرگز نہ مائل ہوں۔نمازوں پر اوراللہ سے تعلق پر توجہ دیں اور راہ حق پر جمے رہیں۔اللہ نے ایسے ظالموں کے لیے ہلاکت اور بربادی کا انجام طے کیا ہوا ہے۔پچھلے رسولوں کی تاریخ بیان کرکے ہم تم لوگوں کے لیے دل بستگی اوراطمینان کا سامان کرتے ہیں۔بہرحال اس کشمکش میں ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔تم کو ثابت قدمی کے ساتھ اس کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے۔لہٰذا اسی کی عبادت کرو اوراس پر بھروسہ رکھو۔اللہ تم جو کچھ کررہے ہو اس سے بے خبر نہیں ہے۔

اب اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائی جائیں: توکل کے مضمون کا ایک جامع بیان تو حضرت ابن عباس ﷺ کی اس روایت میں آگیا تھا جو احسان کے باب میں گذر چکی ہے۔یہاں اس کو پھر درج کیا جارہا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضرت ﷺ کے پیچھے کسی سواری پر بیٹھا ہوا تھا،کہ آپؐ مجھ سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے۔لڑکے! میں تم کو چند باتیں سکھاتا ہوں (لہٰذا غور سے سنو) اللہ کا خیال رکھو وہ تمہارا خیال رکھے گا،اورتمہاری حفاظت کرے گا۔اللہ کا خیال رکھو،اس کو (ہر موقع پر اپنے ساتھ اور) اپنے سامنے پاؤ گے۔مانگو تو اللہ سے مانگو،مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔اچھی طرح جان لو! اگر ساری مخلوق مل کر تم کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو بس وہی فائدہ پہنچا سکتی ہے جو اللہ نے تمہارے لیے مقدّر کر رکھا ہے۔اوراگر ساری مخلوق مل کر تم کو کوئی نقصان پہونچانا چاہے تو بس وہی نقصان تم کو پہونچا سکتی ہے جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر اور طے کررکھا ہے۔(اب اللہ کے فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا) تقدیر کے قلم اُٹھالیے گئے اور صحیفے خشک ہوگئے۔(مسند احمد)

درحقیقت یہ یقین اورقلبی اذعان کی کیفیت کہ ساری مخلوق اپنے اسباب اورطاقتوں کے ساتھ بس وہی نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ فیصلہ فرمادے،اوروہی بگاڑ سکتی ہے جس کا اللہ فیصلہ فرمائے،اس کے علاوہ ایک ذرہ کے بقدر بھی کسی کی طاقت نہیں یہی حال وکیفیت توکل ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک سلسلۂ بیان میں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہوجائیں گے۔وہ بندگان خدا وہ ہوں گے جو منتر اور جھاڑ پھونک نہیں کراتے،بدشگون نہیں لیتے اوراللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔(بخاری ومسلم)

عربی زبان میں ستر، اور ستر ہزار کا لفظ بسا اوقات محض کثرت اور غیر معمولی بہتات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بے محاسبے کے جنت میں داخل ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی......۔ اس روایت میں جنت میں بے محاسبے کے اوّلین داخلے کے مستحق لوگوں کی ایک خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ پر ایسا بھروسہ رکھنے والے ہوں گے کہ اپنی ضروریات اور کاموں میں جائز اور مناسب اسباب ہی اختیار کریں گے اور ایسے ذرائع سے پرہیز کریں گے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہیں کیونکہ اصل کارفرما ذات اللہ کی ہی ہے۔ یہ اسباب تو محض اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے پورے ہونے اور ظاہر ہونے کے ذرائع ہیں۔ پھر جو بندے اس طرح اللہ پر بھروسہ کریں گے اللہ ان کے کام بنا بھی دے گا (ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ)۔ عربوں میں اسلام سے پہلے منتر اور جھاڑ پھونک کا بڑا رواج تھا۔ بہت سے منتر صریح طور پر شرکیہ ہوتے تھے، اور بہت سے مشتبہ۔ اور جھاڑ پھونک سے چوں کہ جو شفا ہوتی ہے یا مرض دور ہوتا ہے وہ عام لوگوں کو ظاہری اسباب کے نقطۂ نظر سے اس طرح سمجھ میں نہیں آتا جس طرح دواؤں سے شفا پانی سمجھ میں آتی ہے، اس لیے اس میں اس کا بڑا خطرہ رہتا ہے کہ کم سمجھ لوگ اس سے بداعتقادیوں اور شرک تک میں مبتلا ہو جائیں۔ اور ایسا ہوتا بھی تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ انتظام کیا کہ رسول اللہؐ کے ذریعہ سے امت کو قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں کے ذریعہ دم کرنے اور ان کی برکت سے شفا حاصل کرنے کا طریقہ سکھا لایا۔ حضور ﷺ اور صحابۂ کرام انہی سے دم کیا کرتے تھے۔ یہ کلمات اللہ سے دعا پر اور اس کی حمد و ثنا پر مشتمل ہوتے تھے جس سے مزید ایمان پختہ ہوتا ہے اور غیر اللہ سے یقین اٹھتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے (بذل المجھود: ۸/۵ کے حاشیہ میں) تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرت نے جس جھاڑ پھونک کو توکل کے خلاف کہا ہے وہ قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں کے علاوہ دوسرے کلمات سے جھاڑ پھونک کروانا ہے۔ اگر وہ کلمات شرکیہ ہیں تب تو وہ صرف توکّل کے ہی نہیں ایمان کے بھی خلاف ہیں، اور اگر ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے تو چونکہ ان سے عوام میں غلط فہمیاں پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لیے وہ بھی نامناسب اور خلاف توکل ہیں، اور اگر وہ قرآنی آیات سے یا ماثور دعاؤں میں سے ہو تو وہ توکّل کے خلاف نہیں ہے بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ یہ اس سلسلہ میں بڑی ہی متوازن رائے ہے۔ اسی طرح پرندوں یا دوسری چیزوں سے بدشگونیاں لینا اور ان سے متاثر ہو کر اپنے ارادے بدلنا بھی جاہلیت کی وہم پرست ذہنیت کا خاصہ تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو بھی توکّل کے خلاف قرار دیا۔ اس حدیث کی خاص تعلیم اور سبق یہ ہے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جائز اور مناسب وسائل اور ذرائع ہی استعمال کیے جائیں۔ اور اگر کوئی مقصد کسی ناجائز ذریعے کے بغیر پورا نہ بھی ہو رہا ہو تب بھی اللہ پر بھروسہ کر کے اعتماد کیا جائے کہ اس کے حکم کی پابندی ہی میں کامیابی ہے، وہ ہی اصل بنانے اور بگاڑنے والا ہے وہ کسی طرح بھی انسان کو کامیاب کر سکتا ہے۔ (جاری ہے)